# مولانا محمد علی جوہرؒ کی سیاسی خدمات

مولانا ڈاکٹر سعید احمد صدیقی
ریسرچ اسکالر، وفاقی اردو یونیورسٹی، شعبہ علوم اسلامی، کراچی

*Molana Dr. Saeed Ahmad Siddiqui*

**ABSTRACT:**

Indo- Pak Sub-continent has given birth to such sacred personalities who have been luminary examples by giving great heights and grandeur to the coning and the nation. They have been the source of content peace and satisfaction to the hearts whenever they come under discussion. Their achievements have been the pride and pomp to the history and the pen dips into pride to mention then. The chief free dom fighter is a great personality of his time among the brave fighters. Molana Muhammad Ali Johar will be remembered ever as long as the concem for humanity, belonging ness to the nation and ummah and Zael for freedom will deep on warming and will remain in the hearts we have been reciting the following verses, in reference to Molana Muhammad Ali Johar since 1921. Said the mother of Molana Muhammad Ali Johar sacrifice your life for the caliphat Shankat Ali is your comrade for the camse O/My Son Sacrifice your life for caliphat.

Observations and opinions of different will noon personalities of Indio-Pakistan subcontract, Maulana Muhammad Ali Johar have been mention in this thesis. We have tried to bring out the personality of Maulana

Muhammad Ali Jauhar with the views expressed by some famous Personalities in their condolence messages. We have brought forward with this back gnomd how he gave his life in the struggle for the country and the nation. His whole life is a perpetual struggle and sacrifice for the cause. Even his death is a living example of the stnggle. This honest obedient servant of Allah and time follower of the holy prophet was bestowed with the honour to be buried in the land of the Prophets. This honour has not been the fate of the rulers and kings, finally we reguest our fellow conformer to resolve and we our selves resolve, that the everlasting example of Maulana Muhammad Ali Johar will be the guiding force for a all of us to follow, so that our nation and our county may come out of the Present problems and crisis and may proceed on the way of prosperity and progress.

دلکش فضا وطن کی محمد علی سے تھی رنگینی اس چمن کی محمد علی سے تھی(۱)

اسلامیانِ برصغیر کی ہمیشہ سے یہ بدنصیبی اور بدقسمتی رہی ہے کہ ان کو ان کے حقیقی دانشوروں، راہ نماؤں اور انقلابی ہمدردوں کی تاریخ سے بے خبر رکھا جاتا ہے، حکومتی سطح پر جو بھی کام کیا جاتا ہے، اس میں حکومت کے مشوروں، خوشنودی، ضمیر فروشی کو جہاں دخل ہوتا ہے وہاں مرتبین سفارشی ہوتے ہیں، جو ضعف علم کے قلم سے تاریخ مرتب کرتے ہیں، باضمیر مورخین ہمیشہ مسائل، مصائب کا شکار رہتے ہیں، اس لئے ان حالات میں جو حضرات ہمارے حقیقی قومی راہ نماؤں اور دانشوروں سے نئی نسل کو متعارف کرا رہے ہیں۔ وہ قابل مبارکباد ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

ہمارے ان عظیم راہ نماؤں اور دانشوروں میں مولانا شوکت علی، مولانا محمد جوہر، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان اور مولانا ابوالکلام آزاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آج ہمارا

موضوع عالم اسلام کے بالعموم اور برصغیر پاک و ہند کے بالخصوص انقلابی راہ نما و دانشور مولانا محمد علی جوہر ہیں جن کی شخصیت بصیرت اور بصارت کا حسین امتزاج ہے، اسلام کا یہ شیر دل سپاہی، حریت و آزادی کا متوالا، اسلامیان برصغیر اور عالم اسلام کا غم اپنے دل میں لئے پیدا ہوا اور انہی کی بھلائی ان کی عظمت رفتہ کی بحالی، انکی آزادی کی جدوجہد کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے امر ہو گئے، اور اپنی زندگی کی طرح اپنے وصال کو بھی مثالی بنا گئے کہ اللہ کے اس سچے اطاعت گزار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے شیدائی کو پیغمبروں کی سرزمین، قبلہ اول بیت المقدس میں پیغمبروں کے پہلو میں آسودہ ہونے کی سعادت نصیب ہوئی، جو عزت و عظمت مالکان تخت و تاج کو بھی حاصل نہ ہو سکی ہے۔

رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر یہ اس کی دین ہے، جسے پروردگار دے

آج ہم اپنے اس مقالے میں سب سے پہلے معروف دانشوروں اور قلم کاروں کی تحریروں کا ذکر کریں گے، جو انہوں نے مولانا محمد علی جوہر کی شخصیت کے بارے میں کہیں۔

مولانا محمد علی جوہر کی طرح عظیم ان کے عظیم بھائی مولانا شوکت علی لکھتے ہیں۔

''محمد علی کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ باوجود علم و قابلیت کے اسکو اسلام پر فخر تھا اور قرآن مجید کو تمام دنیا کے علوم کا مجموعہ سمجھتا تھا، کہ بہ لحاظ شوق طبع کیا، بہ لحاظ اخلاص کیا بہ لحاظ ہمت و شجاعت وہ اسلام اور وطن کا ایک بہادر سپاہی تھا اور آخر وقت تک جدوجہد کرتے ہوئے وہ اس دنیا سے اٹھ گیا، ہمارے لئے ایک بہت بڑا سبق چھوڑ گیا وہ یہ کہ علی گڑھ کے ہر ایک تعلیم یافتہ نوجوان کا فرض ہے کہ وہ اپنی تمام قوتیں مسلمانوں کے لئے اور وطن کے لئے وقف کر دے اور اپنی بساط کے مطابق ان کی خدمت کر کے حیات جاودانی اور فلاح دین و دنیا حاصل کرے۔(۲)

محترم جناب عبدالمجید قریشی صاحب رقم طراز ہیں:

''عقل کی مرضی تھی کہ محمد علی انصاف کی کرسی پر بٹھائے جائیں، مگر عشق کی خوشی کہ الزام کے کٹہرے میں کھڑے ہوں، عقل نے انہیں سزا دینے کا طریقہ مگر عشق نے سزا پانے کا سلیقہ سکھانا چاہا۔'' (۳)

محترم جناب شفیق بریلوی صاحب رقم طراز ہیں:

''اسلام کے شیر دل سپاہی رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کی سانسوں کی گرما گرمی، ان کے دل کی تڑپ دوادوش، برصغیر پاک و ہند ہی میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی سرزمین کے ملک ملک، شہر شہر، گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں بسی ہوئی ہے اور جب انسانیت کی ہمدردی، محبت کی گرمجوشی اور قوم وملت کی حریت و آزادی کا جذبہ دلوں میں زندہ رہے گا کسی نہ کسی صورت سے مولانا محمد علی جوہر کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔'' (۴)

حافظ رشید احمد ارشد سابق صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی رقم طراز ہیں:

''وہ بھی ایک زمانہ تھا جب مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی، برصغیر میں سب سے زیادہ مشہور تھے، چنانچہ تحریک خلافت کے زمانے میں برصغیر کے ہر بچے، جوان اور بوڑھے کی زبان پر علی برادران کا نام چڑھا ہوا تھا اور جس شہر اور قصبے میں یہ دونوں بھائی، تحریک آزادی کا علم بلند کرنے کے لئے پہونچتے تھے۔ وہاں لاکھوں افراد کا مجمع اکٹھا ہو جایا کرتا تھا بالخصوص جب انہیں اس عروس البلاد شہر کراچی میں گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلایا گیا تو اس مقدمہ کی وجہ سے شہر کراچی بھی چار دانگ عالم میں مشہور ہو گیا اور کراچی ایک تاریخی شہر بن گیا۔

علی برادران کے بارے میں مختلف قومی نظمیں نہایت ذوق وشوق سے پڑھا کرتا تھا بالخصوص اس زمانے کی دو مقبول نظمیں میرے وردِ زبان تھیں

کیونکہ یہ دو نظمیں اس قدر مقبول ہوئیں کہ بچے بچے کی زبان پر جاری ہوگئیں۔ان میں سے ایک نظم کے ابتدائی اشعار یہ تھے ؎

بولی اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دیدو
ساتھ تیرے ہیں شوکت علی بھی جان بیٹا خلافت پہ دے دو

دوسری نظم مقدمۂ کراچی کے فیصلے کے بعد شائع ہوئی تھی اور اس کا ابتدائی شعر یہ تھا: ؎

کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

ممتاز دانشور پروفیسر خورشید احمد، مولانا محمد علی جوہر کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''مولانا محمد علی بڑے مخلص اور سچے مسلمان تھے، وہ کوئی بڑے مفکر تو نہ تھے لیکن مسلمان کا سا دل رکھتے تھے، مسلمان کا سا سوچنے کا انداز رکھتے تھے، مسلمانوں سے محبت رکھتے تھے، اور مسلمانوں کی سربلندی چاہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق تھا، خدا کی ذات پر کامل یقین اور توکل کی مثال اس زمانے میں اس سے اعلیٰ نہیں مل سکتی کہ ایک شخص جو جیل میں پڑا ہوا ہے، سب سے بڑی لڑکی بیمار ہے اور بیمار بھی ایسی کہ زندگی اور موت کی کش مکش میں گرفتار اس وقت آپ ایک غزل کہتے ہیں اور اس میں ایک شعر باپ کی زبان سے یہ بھی نکلتا ہے کہ ؎

صحت تری ہمیں منظور ہے لیکن اس کو نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

یہ بات اس شخص کے سوا اور کوئی کہہ ہی نہیں سکتا جسے اللہ پر کامل یقین ہو۔

مولانا محمد علی نے ''کامریڈ'' اور ''ہمدرد'' کی تحریروں اور اپنی لمبی لمبی تقریروں کے ذریعہ قوم میں ایک نئی روح پھونکی، ان کی تحریر میں بلا کا تیکھا پن تھا دل میں گھب جانے والے تیر و نشتر سے وہ آراستہ ہوتی تھی۔مولانا محمد علی کا اصل جوہر تحریک خلافت میں کھلا جس کے ذریعے ملک کے طول و عرض میں نئی بیداری رونما ہوئی اور جو مایوسی مسلمانوں پر مسلط تھی وہ ختم ہوئی مولانا

محمد علی اور خلافت کے اثرات میں یہ چیزیں نمایاں محسوس ہوتی ہیں۔

۱۔ مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور پھر کچھ کر گزرنے کا عزم ان میں پیدا ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلی جنگ اور اس کے بعد کے زمانے میں مسلمان سیاسی زندگی پر چھائے ہوئے تھے۔ ہر تحریک میں رضا کار مسلمان ہوتے تھے، اور ان میں وہ اعتماد تھا جس کی بناء پر وہ اپنی عددی کمی کے باوجود یہ یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان کے اصل حکمران وہی ہوں گے، اس خطرہ کو ہندو قائدین نے بھی محسوس کیا اور تحریک عدم تعاون کو گاندھی جی نے اسی لئے ختم کیا تھا کہ مسلمان ہندوستان کی سیاسی فضا پر چھائے جا رہے تھے۔

۲۔ مولانا محمد علی تحریک اور خلافت کے زیر اثر پان اسلامزم کا احیاء ہوا اور مسلمانوں کے عالمگیر برادری ہونے کا احساس زیادہ سے زیادہ مستحکم ہو گیا۔ اس تحریک کو غذا پورے عالم اسلام سے مل رہی تھی، لیکن ہندوستان کی سرزمین پر اس کا سب سے بڑا علم بردار محمد علی ہی تھا۔ جس کا عالم یہ تھا کہ مراکش میں ایک مسلمان کے کانٹا چبھتا تھا تو وہ بے قرار ہو جاتے تھے۔ یہی جذبہ تھا جس نے اس سے The Cohice of the turks جیسا مقالہ لکھوایا تھا، جس کی نظیر انگریزی صحافت میں نہیں ملتی۔

۳۔ تحریک خلافت کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک کل ہند تنظیم رونما ہوئی اور جن حضرات نے حالات کا مطالعہ گہرائی میں جا کر کیا ہے وہ واقف ہیں کہ مولانا شوکت علی مرحوم نے غیر معمولی ذہانت اور قابلیت کے ساتھ اس تحریک کا اندرونی نظم سنبھالا ہوا تھا، اور پورے ملک میں تحریک کا ایک جال پھیلا دیا تھا۔

۴۔ ہندو مسلم اتحاد کا جو ڈھونگ گاندھی اور ان کے حواریوں نے رچایا تھا اس کا پول اس زمانے میں کھل گیا اور تحریک خلافت کی ناکامی اور ہندو مسلم فسادات نے سارے پردے چاک کر دیئے۔ مولانا محمد علی نے آخری زمانہ میں اس حقیقت کو اچھی طرح

واضح کر دیا تھا کہ مسلمانوں کا مستقبل ہندوؤں کے ساتھ نہیں ان سے الگ ہے۔

۵۔ عام مسلمانوں کو تحریک سے وابستہ کیا گیا اور پوری قوم کو میدان میں لا کھڑا کیا گیا۔ اس سے پہلے کی تحریکات میں قوم کا ایک حصہ ہی سرگرم نظر آتا ہے۔ لیکن یہ تحریک ایک ایسی تحریک ہے جس میں پوری قوم شریک ہے۔(۵)

حضرت خواجہ حسن نظامی مولانا محمد علی جوہر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''لندن سے خبر آئی ہے کہ محمد علی جوہر صاحب کا انتقال ہو گیا۔ دہلی میں اس خبر سے بہت اثر ہے میں نے جب یہ خبر سنی تو سخت صدمہ ہوا۔ وہ مسلمانوں کے بہت بڑے لیڈر تھے۔ محمد علی صاحب رام پور کے رہنے والے تھے، علی گڑھ کالج میں تعلیم پائی، لندن میں بھی تعلیم حاصل کی تھی، لمبا قد تھا اور دوہرا جسم تھا، پہلے انگریزی لباس پہنتے تھے اور داڑھی منڈواتے تھے۔ پھر عربی لباس اختیار کیا اور داڑھی بڑھائی، کانپور کی مسجد اور طرابلس اور بلقان کی لڑائیوں میں مسلمانوں کی بہت خدمت کی، خدام کعبہ اور خلافت کی تحریکوں میں بھی بڑے بڑے کام کئے، کامریڈ انگریزی میں ہمدرد اردو میں اخبارات بھی چلائے۔ وہ بہت لائق اور عمدہ انشا پرداز تھے۔ ان کی تقریر میں بھی ادبی کمالات کی شان ہوتی تھی اگرچہ ذرا طویل لکھتے تھے اور ذاتیات کا ذکر بہت کرتے تھے۔ میرا ان کا ہمیشہ بہت اچھا میل جول رہا۔ اب آخر میں کچھ اختلافات ہو گئے تھے، لیکن میں ان کو موجودہ زمانے کے مسلمانوں میں بہت لائق اور مستقل مزاج اور اپنی بات کے لئے مضبوط مسلمان سمجھتا تھا۔ ۴، جنوری کو صبح شب برات کے دن ۹ بجے لندن میں انتقال ہوا، اور آخر تک ہندوستان کے فائدے کے لئے کام کرتے رہے۔ جس کو ہندوستان کی قومیں ہمیشہ شکر گزاری سے یاد

کھیں گی۔''

میر محفوظ بدایونی، ان کے بارے میں اپنی تحریر کے جوہر دکھاتے ہوئے الفاظ کے موتی یوں بکھرتے ہیں۔

''جب محمد علی ولایت کو روانہ ہوئے تو ان کے دماغ پر عقل مآل اندیش کا قبضہ مگر ان کے دل پر عشق مصلحت ناشناس کا قبضہ تھا اور ان کے مستقبل کی تشکیل میں دونوں کی رقابت و مناقشت کارفرما تھی۔ عقل کی رائے تھی کہ وہ مسٹر ایم علی، آئی سی ایس بنائے جائیں، مگر عشق کی صلاح کہ رئیس الاحرار مولانا حاجی محمد علی بنیں، عقل کی مرضی تھی کہ وہ انصاف کی کرسی بٹھائے جائیں، مگر عشق کی خوشی کہ الزام کے کٹہرے میں کھڑے ہوں عقل نے انہیں سزا دینے کا طریقہ مگر عشق نے سزا پانے کا سلیقہ سکھانا چاہا عقل نے ان کے لئے جج کا چغہ اور وزارت کا خلعت مگر عشق نے جیل کا کرتا اور حج کا احرام پہنانا چاہا۔ عقل کا مشورہ تھا کہ وہ بریڈلا اور انگرسال کے زمرۂ شاگردی میں مگر عشق کا کہ اویسؓ اور بلالؓ کے حلقہ غلامی میں آئیں غرض کہ عقل کا فیصلہ تھا کہ وہ یزید مگر عشق کا فتویٰ کہ شہید ہوں۔ اس کشاکش میں پایان کار عشق ہی کامیاب ہوا، یعنی محمد علی سول سروس کے امتحان میں ناکامیاب ہوئے، یہ اس میدان کی پہلی فتح اور مکتب عشق کا پہلا درس تھا۔''(۶)

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید رئیس الاحرار کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''محمد علی بر عظیم کی اسلامی صحافت میں پہلی اور آخری شخصیت تھے۔ جو آکسفورڈ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھی۔ وہ پہلے صحافی تھے، جنہیں انگریزی اور اُردو، دونوں زبانوں کی صحافت پر عبور حاصل تھا۔ محمد علی نے

دونوں زبانوں میں لکھا اور خوب لکھا اور بڑے بڑے انگریز دانشوروں سے بھی خراج تحسین حاصل کیا، ان کا انگریزی ہفت روزہ ''دی کامریڈ'' اعلیٰ پائے کی صحافت کا ایک نمونہ تھا۔ اور وہ بھی ایک ایسے دور میں، جب مسلمانوں میں انگریزی صحافت کا ذوق خال خال ہی ملتا تھا۔

میں نے ''دی کامریڈ'' کے ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۴ء تک کے فائل پڑھے ہیں، اور میرے لئے یہ حیرت کا مقام ہے کہ وہ مستقبل شناسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انہوں نے بار بار لکھا کہ ہندوستان کا مسئلہ فرقہ وارانہ مسئلہ نہیں۔ بین الاقوامی مسئلہ ہے اور مسلمان چاہیں تو مطالبہ کر سکتے ہیں کہ اسے بین الاقوامی قانون کی روشنی میں حل کیا جائے۔ جس میں قومیں چھوٹی ہوں یا بڑی، مساوی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک اداریے میں لکھا کہ متحدہ قومیت کی تخلیق ناممکن ہے۔ البتہ دونوں قوموں کے درمیان ''باہمی سہولت پر مبنی ایک نکاح'' (Marriage of Convinience) ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد رومان پر نہیں، ضرورت پر ہوگی، پھر محمد علی ہی کے ایک رفیق کار ولایت علی بمبوق نے ''گپ'' کے مستقل عنوان کے تحت پہلی مرتبہ ہندوستان کی تقسیم کا تصور پیش کیا۔'' (۷)

مولانا عبدالماجد دریا آبادی مولانا محمد علی جوہر کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

وسط ۱۹۲۸ء ہے اور مولانا ذیابیطس کا علاج کرانے ایک رئیس کے خرچ پر برطانیہ فرانس گئے ہوئے ہیں، میں روزنامہ ہمدرد کے نگران کی حیثیت سے دہلی میں چند دنوں سے مقیم ہوں، دفتر کامریڈ میں ولایتی اخبار بھی متعدد آتے رہتے تھے، ایک روز ایک لندنی اخبار میں دیکھتا کیا ہوں یہ خبر چھپی ہوئی موجود ہے کہ کل ایک مسلمان کو پارلیمنٹ کی گیلری (غلام

گردش) میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا جو یہاں کے لئے ایک بالکل نئی چیز تھی خبر پڑھتے ہی ہم لوگوں کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ سوا مولانا کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ برسوں سے یہی دھن تھی اور بار بار یہی کہا کرتے تھے کہ جب سے پہلی نظر بندی اور اسیری (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے زمانے میں قرآن مجید کے معنی سمجھ کر پورا پڑھا اور تجدید ایمان کی ہے، بس تبلیغ کا ایک نشہ سوار ہے، دل میں یہی ارمان ہے کہ یورپ بھر میں گھوم کر پھر کر اس کی منادی کرتا رہوں کہ میرے پاس کیسا انمول خزانہ امن وراحت کا (یعنی قرآن مجید) موجود ہے۔ اس نعمت بے بہا کو ایک ایک تک پہنچا دوں۔(۸)

محمد عبداللہ قریشی رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

''رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر اردو کے قادر الکلام شاعر، انگریزی کے زبردست ادیب، نڈر صحافی، آتش بیان مقرر، ماہر سیاست دان، پاک و ہند کی کامل آزادی کے مخلص علم بردار اور مسلمانوں کے محبوب ترین رہنما تھے۔ ۱۱ر جنوری ۱۹۱۱ء کو کلکتے سے کامریڈ جاری کیا، مگر جلد ہی اسے دہلی لے آئے۔ اس میں انگریزی انشا پردازی کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ ایچ جی ویلز جیسا انگریز ادیب یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ:

''محمد علی نے برک کی زبان، میکالے کا قلم اور نپولین کا دل پایا ہے۔''

دراصل ان کا دماغ مغربی لیکن دل مشرقی تھا۔ وہ طرابلس اور بلقان کی جنگوں میں مسلمانوں کی مظلومی پر تڑپ اُٹھے اور ترکوں کی ہمدردی کی پاداش میں چھند وارہ میں نظر بند کر دیئے گئے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان (غیر منقسم) کی تحریک آزادی میں کانگریس کا ساتھ دیا۔ گاندھی جی کو خوب اچھالا، پھر ہندوؤں کی تنگ نظری کی بنا پر کانگریس سے الگ ہوکر کامل

آزادی کا مطالبہ کیا اور گول میز کانفرنس میں شریک ہو کر مشرق کی حمایت میں مغرب سے مغرب ہی کے ہتھیاروں سے لڑے۔ آخر ۴ شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو ترپن برس کی عمر پا کر لندن میں انتقال کیا اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔ یوں کہنا چاہئے کہ وہ ایک آفتاب تھے جو مشرق سے طلوع ہوا، مغرب میں غروب ہوا اور اب مشرق و مغرب کے مرکز بیت المقدس میں آرام فرما ہے۔ مولانا کی مسافرانہ موت کی پیشن گوئی ان الفاظ میں ملتی ہے

مارا دیار غیر میں مجھ کو وطن سے دور رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم(۹)

بابائے اردو مولوی عبدالحق مولانا محمد علی جوہر کے جواہر کو یوں خوبصورتی کا رنگ دیتے ہیں:

''وہ انگریزی کا بہت بڑا ادیب، زبردست انشاء پرداز اور اعلیٰ درجے کا مقرر تھا، لیکن جب لکھنے اور بولنے پر آجاتا تو اعتدال اور تناسب دونوں نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے، اور انمول جواہر پاروں کے ساتھ کنکر اور روڑے بھی بے تکلف چلے آتے تھے، وہ آزادی کا دل دادہ اور جبر و استبداد کا پکا دشمن تھا۔ لیکن اگر کبھی اس کے ہاتھ میں اقتدار آتا تو وہ بہت بڑا جابر اور مستبد ہوتا۔

وہ محبت و مروت کا پتلا تھا، اور دوستوں پر جان نثار کرنے کے لئے تیار رہتا تھا، لیکن بعض اوقات ذرا سی بات پر اس قدر آگ بگولا ہو جاتا تھا کہ دوستی اور محبت طاق پر دھری رہ جاتی تھی، دوست بھی اس کے جاں نثار اور فدائی تھے لیکن اس طرح بچتے تھے جیسے آتش پرست آگ سے بچتا ہے وہ اپنے رفیقوں اور ہمکاروں کے ساتھ بڑی شفقت اور عنایت سے پیش آتا تھا اور طرح طرح کے سلوک کرتا تھا لیکن جب بگڑتا تو آپے سے باہر ہو جاتا تھا اس وقت اُسے نہ کسی کی عزت آبرو کا خیال رہتا تھا نہ اپنے کام کا اسی

لئے وہ اپنے ہمکاروں سے نباہ نہ سکا اور وہ لوگ جنہیں وہ چن چن کر لایا تھا آخر کار ایک ایک کر کے الگ ہو گئے یوں تو ایک مدت تک وہ عزیز مذہب سے بیگانہ سا رہا اور جب اُدھر جھکا تو ایسا کہ بڑے بڑے چغادھری مولوی اور کٹر ملا بھی اس کے سامنے ہیچ تھے، وہ جب کبھی کسی کام کو اٹھاتا تو بڑی شان وشکوہ سے اٹھاتا اور بڑی بڑی تیاریاں کرتا تھا لیکن تکمیل کو پہنچانا اس کی طبیعت میں نہ تھا کامریڈ کس شان سے نکالا، قدر بھی اس کی وہ ہوئی جو شاید ہی کسی اخبار کی ہوئی ہو، اپنے پرائے سب اُسے سر آنکھوں پر رکھتے تھے، لیکن جو اس کا حشر ہوا وہ بھی معلوم ہے۔" (۱۰)

مولانا محمد اکرم خاں نے مولانا محمد علی جوہر کو ان الفاظ کے جواہر کے ساتھ خراج عقیدت پیش کیا:

"محمد علی علوم مغرب کا ماہر تھا، لاثانی ادیب تھا، زندہ دل شاعر تھا، زبردست مقرر تھا، حق وصداقت کے میدان جہاد کا ایک جانباز سپاہی تھا، ایک بہادر سپہ سالار تھا۔ اپنے پیارے وطن کا جاں نثار خادم تھا اور اپنے پاک مذہب کا سرفروش فدائی تھا۔ اس کی زندگی نسیم صبح کی اٹھکلیوں کا مجموعہ نہ تھی، بلکہ وہ آندھی کی طرح آیا اور بگولے کی طرح عالم بالا کو پرواز کر گیا، وہ بجلی کی طرح چمکا، بادل کی طرح گرجا اور بارانِ رحمت کی طرح برسا، ایسا برسا کہ خدا کی پیاسی زمین شاداب ہو گئی۔ محمد علی خود ایک تصادم تھا، ایک تلاطم تھا، ایک مجسم انقلاب تھا، محمد علی سے اس خاکسار کو نیاز حاصل تھا۔ مسٹر محمد علی سے، مولانا محمد علی اور غازی محمد علی سے شہید محمد علی تک مجھے دیکھنے کا موقع ملا۔ لہٰذا کہہ سکتا ہوں کہ محمد علی کی ذات ایک معمولی شخصیت نہ تھی، اور اس کے کارنامے معمولی کارنامے نہ تھے۔ اس کے

اصلی کارنامے نہ تو اخبار کے کالموں میں ظاہر ہو سکتے ہیں اور نہ مدعیانہ عقیدت میں، بہتوں کو ان کی اطلاع ہے محمد علی کی ساری زندگی اس عشق بے محابا کی عملی تفسیر ہے جو بیدھڑک آتش نمرود میں کود پڑا اور اس کی ساری حیات اُس رضاو تسلیم کی روشن تعبیر ہے جس نے زندانِ مصر میں بال یوسفی کو کمال تک پہنچا دیا۔ مرحوم خود کہتے ہیں ۔

فیض سے تیرے ہی اسے قید فرنگ بال و پر نکلے قفس کا در کھلا(۱۱)

محمد محی الدین بدایونی نے مولانا کی خدمات کا ان الفاظ میں ذکر کیا:

''محمد علی کی فطرت میں عشق الٰہی، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق امت مرحومہ کے علاوہ عشق آزادیٔ وطن بدرجہ اتم شامل تھا۔ آزادیٔ وطن کے لئے کے لئے جدوجہد کے باعث انہوں نے قید و بند کی کڑی مصیبتیں جھیلیں، دن کا چین گنوایا، راتوں کی نیند حرام کی، صحت برباد کی، گھر بار لٹایا، تا آنکہ یہ بیمار و نزار چند دن کا مہمان مجاہد حریت ۱۹۳۰ء کے اواخر میں اپنے آخری محاذ جنگ پر لندن کی گول میز کانفرنس میں مسلمانان ہند کی نمائندگی اور پورے وطن عزیز کی آزادی کے لئے مبارز آزمائی کے لئے روانہ ہوا، اور اس سج دھج سے روانہ ہوا جس کا نقشہ کچھ کچھ، کفن بردوش، سربکف، اور پابرکاب، کی لفظی تراکیب سے ذہن میں آتا ہے، بمبئی کی بندرگاہ پر الوداع کہنے والوں میں مولانا عبدالماجد بدایونی پیش پیش تھے۔ انہوں نے ازراہ تجاہل عارفانہ استفسار کیا: ''آپ اتنا طویل سفر کیوں اختیار کر رہے ہیں؟'' محمد علی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ''مرنے کے لئے!'' گول میز کانفرنس میں ان کی آخری تقریر کے اختتامی کلمات [illegible] گوش شنوا میں گونجتے ہیں:

''آج جس ایک مقصد کے لئے میں یہاں آیا ہوں وہ یہی ہے کہ میں اپنے ملک کو اسی حالت میں جاؤں کہ آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں ہو۔ میں ایک غلام ملک کو واپس نہیں جاؤں گا۔ میں ایک غیر ملک میں تاوقتیکہ وہ آزاد ہے مرنے کو ترجیح دوں گا، اور اگر آپ مجھے ہندوستان کی آزادی نہیں دیں گے تو پھر یہاں مجھے قبر کے لئے جگہ دینی پڑے گی''(۱۲)

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کا حوصلہ اور فیصلہ مثالی تھا۔ آپ کی زبان پر جو الفاظ آتے تھے بصارت اور بصیرت دونوں کا حسین امتزاج ہوتا تھا۔ آپ نے ہمیشہ اسلام اور عالم اسلام کے حق میں کسی گستاخی کو برداشت نہ کیا۔ حق گوئی و بے باکی آپ کی پہچان بن گئی۔ مصلحت اندیشی آپ کے مسلک میں نہ تھی، عوام اور خواص کے سامنے یکساں جرأت مندانہ خطاب فرماتے تھے۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۹ء کو رہائی کے بعد آپ نے مسلم لیگ کے اجلاس ہوا۔(۱۳)

مولانا محمد علی جوہر سراپا مومن اور جرأت مندانہ انداز فکر کے حامل تھے۔ دشمن کے مخاطب کرنے کا انداز جارحانہ تھا، کبھی رعایت نہیں دیتے تھے۔ زبان وکلام پر قدرت ہونے کی وجہ سے ہر شخص آپ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آپ کے ایمان وایقان اور برہان کے سبھی قائل تھے۔ آپ کی جرأت بیان کی ہم عصر زعماء میں مثال نہیں تھی، آپ کا مقام ومرتبہ ہندوستان کی آزادی کے اعتبار سے نہایت قابل قدر اور تقلید کے قابل تھا۔

''کس بلا کے بولنے والے تھے، بولتے تو معلوم ہوتا ابوالہول کی آواز اہرام مصری سے ٹکرا رہی ہے۔ لکھتے تو معلوم ہوتا کہ کرب کے کارخانے میں تو پیں ڈھلنے والی ہیں یا پھر شاہ جہاں کے ذہن میں تاج محل کا نقشہ مرتب ہو رہا ہے۔ میں نے ان کو اسٹیج پر آتے اور بولتے ہوئے سنا ہے! خود محمد علی کو داد دینے سے پہلے انیس کو داد دی ہے''(۱۴)

محمد علی جوہر کے بارے میں ہم نے چند نامور اہل قلم اور مفکرین کی اراء پیش کیں، جن کے ذریعے انہوں نے اس عظیم راہ نما، مدبر مفکر اور دانشور کو خراج عقیدت پیش کیا اور ان کی خدمات کا دلی طور پر اعتراف کیا۔ اب ہم برصغیر پاک و ہند کے چند نامور اہل قلم کی تحریروں کا حوالہ دیں گے جو انہوں نے اس عظیم راہنما، دانشور کی وفات کے بعد انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سپرد قلم کیں۔

احمد زکی پاشا نے مسجد اقصیٰ کے صحن میں کھڑے ہو کر فرمایا:

''اے بزرگانِ مسجد اقصیٰ! اے ابنائے عرب! اے امت اسلام! مولانا محمد علی کی زندگی جہاد کی ایک مسلسل لڑی تھی۔ زمانے نے اسے دیکھا اور تاریخ نے اسے محفوظ کیا، وہ قربانی کی ایک انمٹ یادگار چھوڑ گیا۔ شہید اپنے ہمعصروں میں لسان صدق تھا اور ہمارے دل اس ایمان سے پر ہیں کہ اللہ نے اس پر انعام کیا اور اس کو آخر میں بھی لسان صدق بنا دیا۔ اس نے اپنے ملک کے لئے وہ جہاد کیا کہ جہاد کا حق ادا کر دیا۔'' (۱۵)

معروف سیرت نگار اور انشاء پرداز علامہ سید سلیمان ندوی نے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر پر اپنے تعزیتی نوٹ میں لکھا:

''مولانا محمد علی ملت کے عزادار تھے۔ اب ساری ملت ان کی عزادار ہے، وہ امت محمدیہ کے سوگوار تھے، اب کئی برس سے پوری امت محمدیہ ان کا سوگ منا رہی ہے۔ دنیائے اسلام ان کا ماتم کر رہی ہے۔ وہ ہندوستان کے ماتم دار، طرابلس کے سوگوار، عراق کے غم زدہ، بلقان کے لئے اشک بار، شام پر گریاں، انگورہ پر مرثیہ خواہاں، حجاز کے لئے سوختہ غم اور بیت المقدس کے لئے وقف الم تھے، ان کا حق سرزمین اسلام کے چپہ چپہ پر تھا۔ ان کے لئے اوّلین قبلہ اسلام کا سینہ پھٹ گیا اور وہ اس میں

سما گئے" (۱۶)

مفتی اعظم فلسطین جناب حضرت امین الحسینی نے مولانا محمد علی جوہر کو ان الفاظ سے خراج عقیدت پیش کیا:

"محمد علی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سب کچھ ملت، قوم اور اسلام کے لئے قربان کر دیا" (۱۷)

شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی نے علامہ کو ان اشعار کے ذریعے خراج عقیدت پیش کیا:

اے غرور ملک و ملت تو وہاں لیتا تھا سانس — موت جس عالم میں بنتی ہے حیات پائدار
تجھ کو بخشی تھی مشیت نے وہ برتر زندگی — جس بہادر زندگی کو موت پر آتا ہے پیار
ڈوب جاتی تھی دل باطل میں لہراتی ہوئی — تیرے لہجے میں لچکتی تھی وہ تیغ آب دار
موڑ کر رکھ دی تھی تو نے جنگ کے میدان میں — اہل بدعت کی کلائی، خنجر قاتل کی دھار
روئے ملت پر ہے تیری موت کی تابندگی — کج ہوئی جاتی ہے ماتھے پر کلاہِ افتخار (۱۸)

اردو کے نامور ادیب، نقاد پروفیسر رشید احمد صدیقی نے بالکل جداگانہ انداز میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"ولادت تو مادر زاد ہوتی ہے لیکن محمد علی کی موت خانہ زاد تھی! عام طور پر موت اپنا انتخاب خود کرتی ہے، لیکن محمد علی نے خود موت کا انتخاب کیا"

ایسے لوگ بفضلہٖ موجود ہیں جنہیں مولانا محمد علی مرحوم کے مزار پر حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان میں ہمارے محترم رازق الخیری صاحب ہیں جو ۱۹۵۶ء میں وہاں پہنچے تھے جہاں انبیائے کرام کے پہلو بہ پہلو محمد علی مدفون ہیں۔ میں نے رازق الخیری سے پوچھا کہ جب وہ محمد علی کے مزار کی سمت بڑھ رہے تھے تو ان کی کیفیت کیا تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ:

''اوّل تو مولانا محمد علی ہی کا یہ شعر میری زبان پر متواتر آ رہا تھا۔

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

یہ شعر ایک وجدانی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ پھر ان کی آخری تقریر کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگے:

''اقتدار برطانیہ کو میرے وطن کے لئے آزادی دینی پڑے گی ورنہ اپنے آزاد ملک میں میرے لئے دو گز زمین'' اور پھر جب میں واپس ہوا اور میری پشت محمد علی کے مزار کی سمت تھی تو معاً میرے لب پر حالی کا یہ شعر آ گیا جو انہوں نے حکیم محمود خاں دہلوی کے مرثیہ میں کہا تھا۔

یا وہ اک جوہر الگ تھا جو ہر انسان سے یا نکلتے اب نہیں ایسے جواہر کان سے(۱۹)

شمس العلماء سید ممتاز علی اسلام کے اس عظیم المرتبت جلیل القدر مدبر کو ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں:

''۴ جنوری کا منحوس دن اسلامی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا کیونکہ اس تاریخ کو اسلام کا وہ نامور فرزند ہم سے چھین لیا گیا جس کا مثیل و نظیر صدیوں میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور شمع عالم افروز ہمیشہ کیلئے گل ہو گئی، جس کے فروغ نے مشرق و مغرب کی محفلوں کو گرم کر رکھا تھا۔

مولانا محمد علی کا انتقال صرف مسلمانان ہند کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان نہیں بلکہ اسلامیان عالم کی آنکھیں اشک بار ہیں کہ اسلام کا ایک سچا فرزند دنیا سے اُٹھ گیا، ہندوستان سینہ کوب ہے کہ اُسے ایک اولوالعزم رہنما سے محروم کر دیا گیا اور ساری دنیا فغاں سنج ہے کہ نوع انسان کا ایک بہت بڑا ہمدرد ہم میں نہیں رہا۔

آج محمد علی کے غم میں سیاست و صحافت اور ادب و شعر کی

محفلیں یکسر ماتم کدہ بنی ہوئی ہیں کیونکہ وہ ایک فصیح اللسان خطیب، ایک نکتہ پرور اخبار نویس۔ ایک جلیل القدر مدبر، ایک بالغ النظیر ادیب اور ایک معنی آفرین شاعر تھا، اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اس دور میں اسلامی افق سیاست پر یکے بعد دیگرے جتنی شخصیتیں نمودار ہوئیں محمد علی سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔" (۲۰)

مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی بے اختیار انداز میں اپنے بھائی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"میرا بھائی کہو، بیٹا کہو، سردار کہو، غلام کہو، عاشق کہو یا معشوق، مجھ سے رخصت ہوگیا اور میں اکیلا رہ گیا، بے دست و پا ہوں مگر خدا پر بھروسہ ہے اور وہ ایک محمد علی کی جگہ دین مقدس کی خدمت کے لئے ہزار ہا محمد علی پیدا کرے گا"۔ (۲۱)

## تاریخ نگاری، تاریخ سازی

مولانا محمد علی جوہر جو نہ صرف صحافی، ادیب، شعلہ بیان مقرر، مصنف تھے بلکہ آپ نے ہر میدان میں اپنا لوہا منوایا، آپ اسلام کے سچے شیدائی تھے، قید کے دوران مولانا عبدالماجد دریا آبادی سے خطوط کا تبادلہ رہتا، دریں اثنا مولانا دریا آبادی نے مولانا محمد علی جوہر کو تاریخ لکھنے کا مشورہ دیا، مولانا محمد علی جوہر نے جو جواب دیا وہ اب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

"یہ وقت تاریخ نگاری کا نہیں، تاریخ سازی کا، اغیار تاریخ بنا رہے ہیں اور آپ مجھے تاریخ لکھنے کی صلاح دے رہے ہیں۔ عالم اسلام کی بربادیوں نے دل و دماغ میں وہ سکون کب رہنے دیا جو میں تصنیف و تالیف پر توجہ دے سکوں" (۲۲)

مولانا محمد علی جوہر کی "ساری زندگی آئینہ کی طرح صاف شفاف تھی، کہیں کسی داغ

دھبے، جھائیں کا نشان بھی نہ تھا، اسی آئینہ میں وہ دوسروں کو دیکھتا تھا، جس کا چہرہ روشن نظر آیا، اس کی تنویر محمد علی کا ورد، وظیفہ بن جاتی تھی، جس کے روئے زیبا پر جھائیں نظر آئی یا دھبہ دکھائی دیا، محمد علی کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اسے دور کر دیا جائے اور اگر دور نہ ہو تو اس کا اظہار کرنے میں کوئی تامل نہ کیا جائے''۔(۲۳)

محترم جناب رئیس احمد جعفری نے مولانا محمد علی جوہر کے حوالے سے چند اہم خطوط میں تحریر کیا:

''تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کا یہ عہد شباب تھا، اور ملک کا چپہ چپہ ''مہاتما گاندھی کی جے'' کے ساتھ ساتھ ''محمد علی کی شوکت علی کی جے'' سے گونج رہا تھا۔ ''اللہ اکبر'' کے نعرے ہندوؤں تک کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے''(۲۴)

آج ہمیں بھی مولانا محمد علی جوہر جیسا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے اندر سچائی، جرأت اور قوم وملت کے لئے کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔ جب ہی ہمارا ملک اور ہماری قوم ترقی کرے گی اور ہمیں ان مشکلات سے نجات ملے گی جس میں ہمارا ملک پھنسا ہوا ہے۔

ہم اپنے اس مقالے کا اختتام مولانا محمد علی جوہر کی چھوٹی صاحبزادی محترمہ گلنار کے ان جملوں پر کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی بڑی بہن زہرہ آپا کے نام تحریر کردہ خط میں لکھا:

''ان کی موت، موت نہیں، شہادت ہے، وہ شہید ہوئے، انہوں نے ہمیشہ خدا کی راہ میں کام کیا اور اسی میں ختم ہو گئے۔ ان کی موت یادگار رہے گی۔ خدا کے گھر ان کا بڑا رتبہ ہے، یعنی مسجد اقصیٰ میں دفن ہو گئے، کسے ایسی جگہ نصیب ہوتی ہے، ہم کو صبر کرنا چاہئے اور خوش ہونا چاہئے، انہوں نے ہمیشہ تکلیف اٹھائی، اب ہمیشہ کے لئے آرام سے سو گئے، خدا نے

ان کی خدمت قبول کی۔'' (۲۵)

## حواشی وحوالہ جات


۱۔ مولانا ظفر علی خان، بحوالہ معماران پاکستان، منشی عبدالرحمٰن خان، لاہور، شیخ اکیڈمی، ۱۹۷۶ء، ص ۲۵۸

۲۔ مولانا شوکت علی، بحوالہ برگ گل جوہر نمبر، شعبہ تصنیف و تالیف، وفاقی اردو گورنمنٹ کالج کراچی، ۱۹۸۰ء، ص ۳۰

۳۔ عبدالمجید قریشی، برگ گل جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۳۸

۴۔ شفیق بریلوی، برگ گل جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۳۹

۵۔ خورشید احمد، پروفیسر، برگ گل جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۱۱۲

۶۔ میر محفوظ علی بدایونی، بحوالہ حیات جوہر، عشرت رحمانی، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۷

۷۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، برگ گل جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۱۷۹

۸۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی، برگ گل، جوہر نمبر محولہ سابقہ، ص ۱۷۹

۹۔ محمد عبداللہ قریشی، برگ گل جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۲۲۰

۱۰۔ عبدالحق، بابائے اردو، مولوی، برگ گل، جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۲۲۸۔

۱۱۔ محمد اکرم خان، مولانا، برگ گل، جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۲۷۵

۱۲۔ محمد محی الدین بدایونی، برگ گل جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۱۵۶

۱۳۔ صدیقی، ثناء الحق، مولانا محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۹۰ء، ص ۶۶

۱۴۔ ظہر علی صدیقی، ڈاکٹر، مولانا محمد علی جوہر اور جنگ آزادی، لاہور، سندھ ساگر

اکیڈمی، ۱۹۹۹ء، ص ۹

۱۵۔ بحوالہ محمد محی الدین بدایونی، برگ گل، جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۱۵۷

۱۶۔ سید سلمان ندوی، بحوالہ معماران پاکستان، منشی عبدالرحمن خان، لاہور، شیخ اکیڈمی، ۱۹۷۶ء، ص ۲۵۷

۱۷۔ امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین بحوالہ معماران پاکستان، محولہ سابقہ، ص ۲۵۸

۱۸۔ جوش ملیح آبادی، بحوالہ برگ گل، جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۱۵۸

۱۹۔ رشید احمد صدیقی، پروفیر، بحوالہ برگ گل، جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۱۵۸

۲۰۔ شمس العلماء سید ممتاز علی بحوالہ برگ گل، جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۱۸۶

۲۱۔ مولانا شوکت علی، بحوالہ برگ گل جوہر نمبر، محولہ سابقہ، ص ۳۰

۲۲۔ دریا آبادی، عبدالماجد، مولانا، مولانا محمد علی جوہر سیرت وافکار، کراچی، ادارہ علم و فن، ۲۰۰۱ء، ص ۲۴

۲۳۔ عثمان، صابر ارشاد، مولانا محمد علی جوہر حیات و خدمات، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷ء، ص ۶۷

۲۴۔ رئیس احمد جعفری، بحوالہ، مولانا محمد علی جوہر، حیات و خدمات، صابر ارشاد عثمانی، محولہ سابقہ، ص ۹۷

۲۵۔ بحوالہ مولانا محمد علی جوہر، حیات و خدمات، صابر ارشاد عثمانی، محولہ سابقہ، ص ۱۵۴

# اسکیم برائے تبادلہ مجلّہ واشتہار

بے شمار خطوط مجلّہ کے اعزازی اجراء کے سلسلہ میں موصول ہوتے ہیں جس کی تعمیل ممکن نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ مجلّہ بہت ضخیم ہوتا ہے جس پر کافی اخراجات ذاتی تنخواہ سے ادا کئے جاتے ہیں

لہٰذا مجلّہ حاصل کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ اپنا مجلّہ جاری کر دیں ہم تبادلہ میں اپنا مجلّہ ارسال کریں گے

دوسری صورت تبادلہ اشتہار کی ہے

آپ ہمارے مجلّہ میں موجود ''مختصر تعارف علوم اسلامیہ'' کا اشتہار اپنے مجلّہ میں شایع کر دیں اور اس کی ایک کاپی ہمیں ریکارڈ کیلئے ارسال فرما دیں ہم بھی آپ کے ارسال کردہ مجلّہ کا اشتہار (بلیک اینڈ وائٹ) بلا معاوضہ اپنے مجلّہ میں شائع کر دیں گے۔

واضح رہے ہمارا مجلّہ ویب سائٹ پر بھی جاری کیا جاتا ہے اور دنیا بھر میں مفت مطالعہ کیا جاتا ہے۔